© rasailojaraid.com

اسلامی تحریک نئے مراحل میں

نعیم صدیقی

جب "تحریکیت" کے بجائے اسلام میں جامد مذہبیت کے انداز پیدا کر دیئے گئے تو پھر دین کی دعوت' دینی نظم جماعت' دینی تحریک' دینی مقاصد' دینی طریق کار وغیرہ کے مفہوم میں بھی جمود سرایت کر گیا' اور دینداری اور جمود باہم لازم و ملزوم ہو گئے۔ جن حضرات نے ایک طویل مدت کے بعد یہ صورت حالات پیدا کی ہے' ان کے سامنے اسلام کا ایک ایسی تحریک بن کر ابھرنا جو قوت کا باگ دوڑ سنبھال کر زندگی کی ساری کارگاہ کو نئے انداز سے منظم کرنا چاہتی ہے' ایک ایسی انوکھی صورت حال ہے' جس سے وہ خواہ مخواہ اپراتے ہیں' اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ حرکت و عمل کا یہ سارا طوفان ایک ہنگامہ دنیویت ہے' اس میں دین کی اصل روح کارفرما ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اس نشوونما پاتی ہوئی تحریک پر جب نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی آنکھوں پر ان ہی چند خاص اصطلاحات کی رنگین عینکیں لگا کر اس کا تجزیہ کرتے ہیں جو جامد مذہبیت کے تنگ تصورات کی حامل ہیں۔ ان تنگ تصورات کے تنگ پیمانوں سے جب وہ جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کو ماپنا چاہتے ہیں تو یہ پیمانے چھلک جاتے ہیں اور وہ زبان حال سے یہ کہتے ہیں :۔

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی

پس ان کے لیے یہ تسلیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے مخصوص دینی پیمانوں سے جس دین داری کو نہیں ناپا جا سکتا' وہ بھی مستند دینداری ہو سکتی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک جو کچھ جامد مذہبیت کے پیمانوں سے چھلک کے باہر گر جائے اسے لازماً دنیویت ہونا چاہیے۔

اس طرح کے محدود ذہنی تصورات کو ذہنوں میں جگہ دے کر یہ سمجھنا آدمی کے لیے ممکن نہیں رہتا کہ ایک نشوونما پاتی ہوئی تحریک کس طرح چلا کرتی ہے' اسے ہر ہر قدم پر کس طرح نوبہ نو مراحل پیش آتے ہیں' اور وہ انہیں کن کن طریقوں سے حل کرتی ہوئی آگے بڑھا کرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اگر جامد مذہبیت کی بنیادی گرہ کھل جائے تو پھر باقی ساری گرہیں خودبخود کھل سکتی ہیں۔ اسلام کے تحریکی مزاج کو اگر سمجھ لیا جائے تو پھر اس حقیقت کا فہم کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ دین کی علمبرداری کرنے والے کسی کارواں کا راستہ کن کن زاویوں سے ہوتا ہوا اور کون کون سے موڑ مڑتا ہوا آخری نصب العین تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ ہمارے دینی حلقوں کے حضرات اسلام کی راہ عمل اور اس کے مراحل کار کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی تحریکی فطرت کو پیش نظر رکھیں۔

جامد مذہبیت نے دعوت دین کی اصطلاح کو مروجہ تبلیغ کا محدود مفہوم دے کر جس سطح پر گرا دیا ہے' وہ اسلام کے تصور دعوت و تبلیغ سے بہت ہی پست ہے۔ بخلاف اس کے جماعت اسلامی "دعوت" کی اصطلاح کو اس کے جامع مفہوم کے ساتھ اپنے پیش نظر رکھتی ہے۔ ہمارے سامنے صرف چند مابعدالطبیعی عقائد اور فقہی جزئیات پر وعظ کہنے' اور انفرادی گفتگوئیں کر لینے کا پروگرام نہیں ہے' بلکہ ہماری دعوت اقامت دین کی دعوت ہے۔ ہم ایک غلط نظام زندگی کو اسلامی نظام زندگی میں بدلنے کے داعی ہیں۔ ہماری دعوت کا خطاب صرف افراد ہی سے نہیں' بلکہ معاشرے کے مجموعی وجود اور تمدن و سیاست کے ہمہ گیر اداروں سے بھی ہے۔ اس طرح کی وسیع عملی دعوت کے تقاضے وعظ گوئی سے پورے نہیں ہو سکتے' بلکہ یہ دعوت اذان سے رجز تک کے سارے مراحل کو محیط ہے۔ یہ دعوت صرف لفظوں ہی سے نہیں دی جا سکتی' بلکہ اس کی صداقت کی گواہی عمل و کردار کے مظاہرے سے دینی ناگزیر ہوتی ہے۔ پھر یہ دعوت منتشر افراد کے ذریعے اپنے مقاصد کو نہیں پہنچ سکتی' بلکہ یہ اپنی فطرت کے اعتبار سے نظم جماعت کی متقاضی ہے۔ کبھی یہ دعوت ناصحانہ پیرائے میں دینی پڑتی ہے' اور کسی موقع پر ناقدانہ پیرائے میں۔ کبھی اس کے لیے نرم سے نرم انداز ڈھونڈ کے لانا پڑتا ہے' اور کبھی یہ تقاضا کرتی ہے کہ گرم سے گرم پیرائیہ بیان اختیار کیا جائے۔ یہ دعوت ایک طرف تعاون علی البر کے لیے الفت و شفقت سے اپیل کرتی ہے' اور دوسری طرف یہی ونخلع ونترک من یفجرک کا مظاہرہ کرنے کے لیے غلظت و شدت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔

پھر یہ پہلے قدم پر جو کچھ ہوتی ہے' دوسرے قدم پر اس سے زیادہ وسعت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر تیسرے قدم پر کسی اور انداز میں اور زیادہ زوردار ہمہ گیری کے ساتھ نمودار ہوتی ہے ---- یہاں تک کہ پورے معاشرے پر چھا جائے۔ یہ دعوت لڑاتی بھی ہے' اور صلح بھی کراتی ہے۔ یہ توڑتی بھی ہے' اور جوڑتی بھی ہے' اور مختلف احوال و شئون سے گذرتی ہوئی اپنی تکمیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو پہنچتی ہے۔

اجتماعی انقلاب کی دعوت دینے والی کوئی بھی جماعت ہو --- اسلامی یا غیر اسلامی --- درحقیقت اس کا وجود ہمہ تن دعوت ہوتا ہے۔ جب کہ وہ اپنا ابتدائی تعارف کرا رہی ہو۔ اس وقت بھی دعوت ہوتا ہے۔ جب کہ وہ اپنی مخالف طاقتوں پر تنقید کر رہی ہو۔ اور اس وقت بھی دعوت ہوتا ہے جب کہ وہ برسراقتدار طاقتوں کے خلاف چارج شیٹ لے کر میدان میں آئے۔ کسی جماعت کا ایک اصول کے ساتھ موجود ہونا' اس اصول کی کسوٹی پر پیش نظر حالات کو پرکھنا' اس کے مطابق مسائل میں رائے دینا' اس اصول کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نظام زندگی کی تبدیلی کا کوئی پروگرام پیش کرنا' اس کا حق ادا کرنے والی قیادت کو برسرعمل لانے کی کوشش کرنا' یہ سب کچھ ہمہ تن اس اصول کی طرف دعوت دینے کا ایک وسیع الاثر نظام کار ہے۔

بالکل اسی طرح جماعت اسلامی کا ایک اصول کی علمبردار جماعت کی حیثیت سے موجود ہونا' اور مختلف سرگرمیوں میں اس اصول کا مظاہرہ کرنا' تمام تر دعوت دین ہے۔ اس کا لٹریچر' اس کے ہینڈبل' اس کے پوسٹر' اس کے جلسے' اس کی ریزولیوشن اسکے بیانات' اس کی تنقیدیں' اس کے احتجاج' اس کے مظاہرات' اس کی پالیسی' اس کی مجلس شوریٰ کے فیصلے' اس کے ہفتہ وار' ماہانہ' سہ ماہی اور سالانہ اجتماعات' اس کی سوشل خدمات' اس کے کارکنوں کے ادبی حلقے وغیرہ ازسرتاپا اپنی مجموعی حیثیت سے اقامت دین کی دعوت ہیں۔ ایک اجتماعی انقلاب کی علمبردار جماعت کی سرگرمیوں کا مجموعہ دعوت ہوتا ہے' نہ یہ کہ دعوت اس کی سرگرمیوں کا ایک جز ہو۔

جن اصحاب پر دعوت کا یہ تصور اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ واضح نہیں ہے' ان کو جماعت اسلامی کی بہت سی سرگرمیاں دعوت کے ماوراء ' بلکہ دعوت سے متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دعوت دین کو پس پشت ڈال کر' یا اسے ایک گونہ کمزور کر کے' کچھ دوسرے سیاسی کام کیے جا رہے ہیں۔

اس قسم کے حضرات جماعت اسلامی کی دعوت کے کسی نئے مرحلے میں داخل ہونے پر بہت اپراتے ہیں کہ یہ کیا ہونے لگا۔ چنانچہ جب جماعت "مطالبہ نظام اسلامی" کی ابتدائی تحریک لے کے آگے چلی تو بھی ان کو کھٹک ہوئی۔ پھر جب انقلاب قیادت کی صدا بلند کی گئی تو اس وقت بھی ان کو الجھن ہوئی۔ پھر جب شرکت انتخابات کا فیصلہ کیا گیا تو بھی ان کو شکایت ہوئی کہ جماعت دین سے سیاست کی طرف لڑھک گئی ہے۔ علی ہذالقیاس اب جب "اجتماعی مظاہرے" کا نیا مرحلہ سامنے آیا تو اس پر ان حضرات کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ کجا دعوت دین اور کجا احتجاجی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مظاہرے حالانکہ یہ سب کچھ عین جائز اور حق ہے اور یہ سب کچھ دعوت دین سے الگ نہیں۔

یہ دعوت دین کا تصور جب تک درست ہو کر اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ ذہنوں میں جاگزیں نہ ہوگا' ہمارے بہت سے معترضین اور خیرخواہ جماعت اسلامی کے بارے میں رائے قائم کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔

خدا جانے کہاں سے یہ عجیب و غریب تخیل بھی دلوں میں آگھسا ہے کہ جو دین کی دعوت دے' وہ بس دعوت ہی دے' کچھ اور نہ کرے۔ ایک داعی جماعت کے لیے یہ جائز نہیں سمجھا جاتا کہ وہ اقتدار پر تنقید کرے' یا اس سے کسی اجتماعی حق کا مطالبہ کرے' یا اس کے مظالم کے خلاف احتجاج کرے۔ اس نظریے کے لیے خود دین میں کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ درحقیقت یہ بھی ایک نتیجہ ہے جامد ذہنیت سے متاثر چلے آنے کا۔

احتجاج کو تحریک اسلامی سے فی نفسہٖ کوئی منافات نہیں ہے۔ ایک اسلامی تحریک کا احتجاج خود دعوت بن جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے حکومت اور رائے عام دونوں کے سامنے حق واضح ہوتا ہے' اور باطل کی تردید ہوتی ہے!

لیکن سوال صرف احتجاج تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ دین کے بہت سے رمز شناسوں کو اصل اختلافات احتجاجی مظاہروں سے ہے۔ مظاہرہ ان حضرات کے لیے ایک غیر دینی سی کارروائی ہے' یا دنیوی سیاست کا ایک طریق کار ہے۔ یہ احساس بھی درحقیقت اسی بنیادی تصور دین و سیاست کے بگاڑ کا نتیجہ ہے۔

قابل غور یہ ہے کہ مظاہرے کی اصل حقیقت کیا ہے؟

ایک ہوتا ہے فرد کا احتجاج کسی فرد کے ظلم کے مقابلے میں۔ دوسری طرف ایک جماعت کا احتجاج ہوتا ہے کسی نظام اجتماعی کی زیادتیوں کے خلاف۔ اور ان دونوں کی حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ظالم فرد کے ظلم کا دائرہ محدود ہوتا ہے' لیکن ظالم نظام کے ظلم کے اثرات دور رس ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مظلوم فرد کی مظلومیت کے مقابلے میں ایک جماعت اور ایک قوم کی مظلومیت بہت بڑے درجے کی ہوتی ہے۔ آخرالذکر کی لپیٹ میں ہزاروں افراد بلکہ پورے ملک کا مفاد آتا ہے'

اس فرق کے پیش نظر' ایک فرد کے محدود احتجاج کے مقابلے میں ایک جماعت کو وسیع تر احتجاج کرنا پڑتا ہے۔ وہ ظلم کی مدافعت کے لیے ایک قوم کی قوم کے جذبات ہمدردی کو اپیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے پر مجبور ہوتی ہے' چنانچہ فرد کا احتجاج اگر دو چار تلخ جملے کہہ دینے سے پورا ہو جاتا ہے' تو ایک جماعت کو اسی مقصد کے لیے سینکڑوں تقریریں نشر کرنی پڑتی ہیں۔ فرد ایک خط یا درخواست لکھ کر یا اخبار میں ایک مراسلہ شائع کرائے جس مقصد کو حاصل کر لیتا ہے' ایک جماعت اس کو حاصل کرنے کے لیے سینکڑوں پوسٹروں' محضرناموں' ہینڈبلوں اور کتبات کو استعمال کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ فرد کے لیے دو چار آدمیوں سے مل کر جذبات کا اظہار کر دینا نتیجہ خیز ہو سکتا ہے' لیکن جماعت کو پوری کی پوری قوم کے سامنے اپنے جذبات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے۔ فرد کی مظلومیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس کا چہرہ جتنا کام دے جاتا ہے' جماعت کو اتنے کام کے لیے ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ایک منظم طاقت کو برسرعام لانا پڑتا ہے۔ پس اجتماعی نظام کے مظالم کے خلاف جماعتوں کے مظاہروں کی نوعیت ایک خاص طرح کی ہے' اور ان کا پیمانہ بہت وسیع ہوتا ہے۔

قدیم زمانے میں' جب کہ حکومتیں شخصی ہوتی تھیں' ان پر تنقید کرنے یا ان کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھانے یا ان سے کوئی مطالبہ کرنے کے لیے یہ کافی ہوتا تھا کہ آپ کسی طرح دربار سلطانی میں پیش ہوئے اور اپنی بات پہنچا دی۔ لیکن آج کل کی حکومتوں کا دربار کسی چاردیواری کے اندر محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ ملکوں کی اصل حکمران طاقت رائے عامہ ہوتی ہے' اور وزراء اور پارلیمنٹ کے ممبر اس کے نمائندے ہوتے ہیں۔ یہ نمائندے کسی مطالبے' کسی شکایت' کسی احتجاج اور کسی تنقید پر صرف اس صورت میں توجہ دیتے ہیں' جب کہ انہیں محسوس ہو جائے کہ رائے عام کا دباؤ اس کی پشت پر موجود ہے۔ یہی بات عوام کے نمائندوں پر واضح کرنے کے لیے کہ کسی آواز کی پشت پر رائے عامہ کی طاقت موجود ہے' مظاہرات عمل میں لائے جاتے ہیں۔ دور حاضر کی حکومتوں کے عوامی طرز پر نشوونما پانے کے ساتھ' رائے عام کے مظاہرات ایک طبعی ضرورت پر ارتقاء پذیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور آج ان سے صحیح طور پر کام لیے بغیر کوئی تحریک پوری طرح کام نہیں کر سکتی۔

اگر مظاہرات کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو ا[illegible] کی ماہیت صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک منظم طاقت نظام تمدن و سیاست کے خداوندوں اور [illegible] کے عوام کو اپنے احساسات سے آگاہ کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کی نگاہ میں فلاں فلاں کارروائی مضر' غلط اور ظالمانہ ہے اور اس کی روک تھام کی جانی چاہیے۔ بخلاف اس کے' فلاں چیز کرنے کی ہے' اور اسے عمل میں لانے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ مظاہرہ خود بکسر ایک دعوت اور ایک تبلیغ ہی ہوتا ہے۔ وہ دعوت و تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ مظاہرہ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہنے کی ایک عملی اور اجتماعی صورت کا نام ہے۔ وہ منکر کو منکر اور معروف کو معروف کہنے کا ایک وسیع الاثر پیرایہ ہے۔

مظاہرہ صرف حکمران طاقت ہی کو خطاب نہیں کرتا' بلکہ وہ رائے عام کی تربیت کا ذریعہ بھی بنتا ہے' مظاہرہ عوام ملک کے سامنے ایک مسئلے کو پوری طرح ابھار کر اور وقت کا اہم ترین سوال بنا کر پیش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اسے جانتا ہو وہ بھی اس پر سوچنے لگے' اور جو نہ جانتا ہو وہ بھی جاننے اور سوچنے پر مجبور ہو جائے' لوگوں میں اس مسئلے پر عام گفتگوؤں کا سلسلہ چھڑ جائے' دو طرفہ دلائل کا چرچا ہونے لگے' اور آہستہ آہستہ عوامی طاقت ایک حق کی حمایت اور اس کے برعکس باطل کی مزاحمت کے لیے یکسو ہو جائے۔

یہی مقصد تھا جس کے تحت حضرت امام مالکؒ نے عین اس وقت --- جب کہ ان کو اونٹ پر سوار کر کے اور ان کے چہرے پر سیاہی لیپ کر مدینے کی گلیوں میں گھمایا جا رہا تھا --- باواز بلند عوام سے قدم قدم پر یوں خطاب کیا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے' جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے' کہ میں مالک ابن انس ہوں' اور میں کہتا ہوں کہ جبرو اکراہ سے دلوائی ہوئی طلاق نافذ العمل نہیں ہوتی۔ آپ یہ کلمات کہتے ہوئے ہمہ تن ایک مظاہرہ تھے' منصور کے غلط نقطہ نظر اور اس کے ظالمانہ طرز عمل کے خلاف' اور اس طرح آپ رائے عام کو درحقیقت دین کی دعوت پہنچا رہے تھے۔

خود نبیؐ نے جب ایک مرحلے پر آ کر پوری طرح محسوس کر لیا کہ اہل کتاب ہمہ تن فتنہ ہیں' اور روشن دلائل بھی ان کے ضمیروں کو نہیں چونکا سکتے' تو آپؐ نے آخری حربے کے طور پر ان کو مباہلہ کی دعوت دی' اور خود اہل بیت سمیت میدان میں آ کر خیمہ زن ہو گئے۔ مباہلے کے طریق کار میں مظاہرے کا ایک پہلو بہرحال موجود تھا اور فریقین کا اختلاف آپؐ کے میدان میں آ کر خیمہ زن ہو جانے سے پوری پبلک کے سامنے اہم ترین مسئلے کی حیثیت سے آ گیا۔ اور اہل کتاب کے فرار نے ان کی اخلاقی کمزوریوں کو اور آنحضور صلعم کی قوت یقین کو ساری دنیا کے سامنے واضح کر دیا۔

دلائل سے دعوت دیتے دیتے جب نبی صلعم نے مباہلہ کی یہ صورت اختیار کی ہو گی تو بظاہر یہ ایک انوکھی چیز محسوس ہوئی ہوگی۔ لیکن درحقیقت یہ بھی دعوت ہی کی ایک شکل تھی' جس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روئے سخن اہل کتاب کے ساتھ ساتھ پوری رائے عام کی طرف تھا۔ یہ ایک ایسا خطاب تھا جس نے ماحول کے ایک ایک کونے تک حق کی آواز پھیلا دی۔

پس مظاہرہ' اگر جائز حدود میں رہے' تو' اپنی حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے دعوت کا ایک وسیع الاثر ذریعہ ہوتا ہے۔ اور فی نفسہ اس میں دینداری کی کوئی نفی نہیں پائی جاتی' الا یہ کہ اس کے لیے پیرایہ اور طریق کار غلط اختیار کیا جائے۔

ایک خدشہ یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کے سیاسی طور طریقوں کو اختیار کر لینے سے تعمیر سیرت و تقویٰ کا پروگرام کمزور ہو جائے گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اب تک جو سرمایہ اخلاق و کردار جمع کیا جا چکا ہے وہ بھی نقصان کا شکار ہو جائے۔ پس اگر ان سرگرمیوں کو اختیار کرنا ہی تھا تو ابھی کافی مدت تک سیاسی مصروفیات سے بچ کر داخلی تعمیر کا کام مکمل کر لینا چاہیے تھا۔

اس خدشہ کو سب سے پہلے خود جماعت اسلامی اور اس کے قائم کرنے والوں ہی نے پوری اہمیت کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ اسی کے پیش نظر جماعت نے سات سال تک جلسوں اور مظاہروں سے اپنا دامن بچا کر' پہلے وہ نئی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو ان وظائف سیاسی کو پرانی روایات سے پاک کر کے نئے انداز میں سرانجام دینے کے قابل ہو۔

جماعت اسلامی اپنے حلقہ اثر میں یہ گہرا احساس پہلے سے پیدا کر چکی ہے کہ سیاست کے خارجی اور نمائشی ہنگاموں کو اصل تحریک بنا لینا' اور ذہن و سیرت کی تعمیر کے لیے کوئی ٹھوس اہتمام نہ کرنا' کبھی بھی ایک اسلامی تحریک چلانے اور اس کے نتیجے میں اسلامی نظام قائم کر دکھانے میں کارگر نہیں ہو سکتا۔ ایک جماعت کی اصل قوت کار سیاسی مظاہرہ نہیں بلکہ اس کی محکم فکر اور اس کے کارکنوں کی ٹھوس سیرت ہوتی ہے۔ سیاسی مظاہرہ صرف ذرائع و وسائل ہیں جن کو وقتی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اختیار کرنا پڑتا ہے۔

جماعت اسلامی کے وجود میں آنے سے قبل' تحریک مجاہدین سرحد کے بعد' کوئی ایسا نظام جماعت موجود نہیں تھا جو اسلام کے خطوط پر افکار و کردار کو ارتقاء دینے کے لیے کوئی ٹھوس طریق کار اختیار کرتا' بلکہ اس دوران میں ہماری ساری سیاست محض خارجی مظاہرے کے بل پر چلتی رہی ہے' اور خارجی مظاہرے سے جذبات میں تو حرکت آتی رہی ہے۔ لیکن شعور کی تربیت اور اخلاق کی تعمیر کا کوئی سامان نہ ہو سکا' بلکہ الٹا سیاست کے جذباتی مظاہرے نے مسلمانوں کے اجتماعی سیاسی کردار کا اور زیادہ خانہ خراب کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ جماعت نے ایک مدت تک ان جذباتی مظاہر کے فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود ان سے اپنے کارکنوں کو پرہیز کرایا ہے' تاکہ کہیں نمائش پسندی اور کھوکھلی ہنگامہ آرائی کی پرانی عادات میں پھر جان نہ پڑ جائے۔

لیکن جب اس پہلو سے اطمینان ہو گیا تو آہستہ آہستہ بتدریج سیاسی حرکت کے لیے مختلف ذرائع و وسایل کو بانداز نو استعمال کیا جانے لگا۔

علاوہ بریں سیاست کے خارجی مظاہر ایک عرصہ دراز سے اسلام کی حدود سے آزاد چلے آ رہے تھے۔ جلسوں میں ہلڑ بازی' تقریروں میں جذباتی اشتعال انگیزی' جلوسوں میں غنڈہ گردی' نعروں میں دشنام طرازی' پوسٹروں میں جھوٹا پروپیگنڈہ' ہینڈبلوں میں فتنہ انگیزی' مظاہرات میں بے وقری' ہڑتالوں میں جبروتشدد' ہماری سیاست کا لازمہ بنے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ جماعت نے اس بے اسلام سیاسی ہنگامہ آرائی کے ناپاک مظاہر کے خلاف ایک شدید نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ نفرت' ماضی کے ردعمل کے طور پر' بعض اصحاب میں حد ضرورت سے زیادہ پیدا ہو گئی ہے۔ وہ مظاہر سیاست کو اسلامی حدود کی پابندی میں محدود ہو جانے کے بعد بھی اسی طرح مکروہ اور مضر سمجھتے ہیں جس طرح وہ اس سے پہلے تھے۔

ہم نے عندالضرورت ایک حکیمانہ تدریج کے ساتھ ان تمام ذرائع و وسایل سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ جن کے بغیر کوئی تحریک عوامی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی۔ لیکن ان سب کو پرانی ناپاک روایات سے پاک کر کے اسلامی اصولوں کے خراد پر گھما کر از سر نو ان کی نوک پلک بنائی ہے' اور مظاہر سیاسی کی نوعیت کو بدل دیا ہے۔ ٹھوس علمی لٹریچر کے ساتھ اب ہم پوسٹروں اور ہینڈبلوں سے بھی کام لیتے ہیں۔ اپنے مخصوص اجتماعات کے ساتھ ساتھ ہم اب جلسہ ہائے عام بھی کرتے ہیں۔ اصول دین کی دعوت کے ساتھ ہم حکومت کی اصلاح کے لیے مطالبے اور ریزولیوشن بھی سامنے لاتے ہیں۔ اور زبان و قلم سے اظہار جذبات کے پہلو بہ پہلو مظاہرات سے بھی کام لیتے ہیں ----

اور آگے چل کر ہمیں دوسرے مختلف جائز طریقے بھی ذرائع و وسایل کی حیثیت سے اختیار کرنے ہوں گے۔

لیکن ہم نے سیاست کے ذرائع و وسایل کو اسلامی حدود کا پابند بنا کر اتنا بدل دیا ہے کہ ہمارے پوسٹر' ہمارے جلسے' ہمارے بیانات' ہمارے ریزولیوشن' ہمارے مطالبے' اور ہمارے مظاہرے خود تعمیر فکر و سیرت کے نہایت موثر ذرائع بن گئے ہیں۔ وہ سیاست جو خالص دنیوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطوط پر چلتی رہی ہے' اس کے مظاہر یقیناً سیرت اور اخلاق کے لیے تباہ کن تھے۔ لیکن اب جب کہ سیاست کو دین کی شاہراہ پر ڈال دیا گیا ہے' اب یہ مظاہر خود تعمیر سیرت واخلاق کے بہترین ذرائع ثابت ہو رہے ہیں۔ ہماری تمام سیاسی سرگرمیاں' جماعت کے کارکنوں کے لیے بھی اور عوام الناس کے لیے بھی' سنجیدگی' وقار' پابندی وقت' احترام نظم اور اہتمام اخلاق کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ایک قابل قدر سامان بنتی جا رہی ہیں۔ اللہ کی اس عنایت پر ہم اس کے حد درجہ شکر گزار ہیں۔

وہ دنیا پرستانہ سیاست جس سے کنارہ کش ہوئے بغیر سیرت و تقویٰ کی تعمیر ممکن نہیں' اس کے ناپاک مظاہر سے جیسی نفرت ہمیں کل تھی ویسی ہی آج بھی ہے --- لیکن سیاست کے اسلامی حدود میں پابند ہو جانے کے بعد بھی' جو لوگ اس کے معتدل اور متوازن مظاہر کو تقویٰ کے منافی اور سیرت کے لیے مہلک سمجھتے ہوں' ان کے دل و دماغ میں یقیناً دین و سیاست کی تفریق کا نظریہ اب تک پناہ گزین ہے۔ حالانکہ وہ سیاست جس کا محور نظام اسلامی کے قیام کا نصب العین ہو' اور جس کے طریق کار کا ہر پہلو اسلامی حدود اخلاق کا پابند ہو' وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اللہ کی عبادت ہے --- اور تمام نفل عبادات سے افضل عبادت ہے۔

یہ افضل ترین عبادت صرف ایسے لوگوں کے تقویٰ کے لیے تباہ کن ہوتی ہے جو سیاست کی ذمہ داریوں کو دین سے الگ سمجھتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے نزدیک سیاست کی ساری خدمات خود دین ہیں' وہ تو نظام اسلامی کے قیام کی جدوجہد میں جو قدم بھی اٹھاتے ہیں وہی ان کے لیے تعمیر تقویٰ کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ جماعت کے اکثر کارکنوں کا حال یہی ہے۔ وہ جب تانگے پر بیٹھے کوئی اعلان کر رہے ہوتے ہیں' دیواروں پر کوئی پوسٹر چسپاں کر رہے ہوتے ہیں' کسی اجتماع میں شرکت کے لیے مصروف سفر ہوتے ہیں' اور اسی طرح جب وہ کسی مظاہرے میں کتبات لیے چوراہے پر کھڑے ہوتے ہیں' تو ان ساری ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے آقا کی اطاعت و عبادت کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ کیفیت صرف ان قلوب کے لیے حرام کر دی جاتی ہے جو اسلامی سیاست کو بھی دین سے الگ کوئی چیز شمار کرتے ہیں۔

پھر یہ امر بجائے خود قابل غور ہے کہ زندگی کی جنگاہ سے الگ بیٹھ کر تعمیر سیرت کرنے کے لیے میدان کار ہے کہاں؟ جسے پیراک بننا ہو' اسے بہرحال پانی کی موجوں کے اندر ہی پیرنا سیکھنا ہو گا' پانی سے باہر پیرنے کی کوئی تربیت گاہ اس آسمان کے نیچے کہیں موجود نہیں ہے۔ اخلاق و تقویٰ پیدا کرنے کے لیے روحانی کسرت کا کوئی مقررہ کورس نہیں ہے کہ ہنگامہ ہائے حیات سے الگ رہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر پہلے اسے پورا کر لیا جائے' اور پھر سند فراغت ملنے کے بعد اپنے آپ کو مختلف ذمہ داریوں میں مصروف کیا جائے۔

اخلاق و تقویٰ تو زندگی میں کودنے ہی سے پیدا ہوتا ہے' اور اسی حد تک پیدا ہوتا ہے کہ جس حد تک عملی سرگرمیوں میں حصہ لیا جا رہا ہو۔ خلوت میں رہیئے تو خلوت ہی کا تقویٰ پیدا ہو گا' جلوت کا تقویٰ خلوت میں نہیں آ سکتا۔ اس کے لیے تو جلوت ہی میں آنا پڑے گا۔ کاروبار کا تقویٰ صرف کاروبار کرنے کے دوران میں پیدا کیا جا سکتا ہے' مسجد میں نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ میدان جنگ کا تقویٰ تیغ و تفنگ کے ہنگامے میں کودپڑنے والوں ہی کو حاصل ہو سکتا ہے' سبکساران ساحل کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ بالکل اسی طرح سیاسیات کا تقویٰ --- جو عام انفرادی سرگرمیوں کے تقویٰ سے بہت ہی بلند مرتبہ ہے --- سیاسیات سے دامن بچا کر پیدا کرنا ناممکن ہے۔ اسے جب بھی آپ پیدا کرنا چاہیں گے تو آپ کو لازماً میدان سیاست میں قدم رکھنا ہو گا۔ رضائے الٰہی کو اپنا مقصود بنا کر آپ حدود اللہ کی پابندی کرتے ہوئے جس سرگرمی میں بھی حصہ لیں گے وہ عین عبادت بن جائے گی' اور آپ کے اندر اخلاق و تقویٰ کی تعمیر کا وسیلہ ثابت ہو گی۔ لیکن اگر یہ نہ ہو تو پھر آپ کو خود اپنی ہر حرکت پر محسوس ہو گا کہ یہ تو "دنیویت" ہے' اور یہ ذہن و سیرت کے لیے تباہ کن ہے۔ اس طرح آپ آخرکار مجبور ہو جائیں گے کہ کسی خانقاہ میں جا کے پناہ لیں' اور پھر پڑے رہیں "تصور جاناں کیے ہوئے"۔

بلاشبہ آپ کو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے جو کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں' ان میں دنیائے تصوف کا یہ "تصور جاناں" نہیں ملے گا۔ بلکہ آپ جب بھی ادھر بڑھیں گے تو وہ غلط قسم کا تصور جاناں کہیں فضا میں کھو جائے گا۔ آپ اس کے پیچھے ہاتھ پھیلائے ٹامک ٹوئیے مارتے پھریں گے' لیکن اس کا سراغ نہ ملے گا۔ بخلاف اس عالم خواب کے سے تصور جاناں کے' ہماری سرگرمیوں میں آپ کو عالم بیداری کا ایک نیا تصور جاناں محسوس ہو گا' بشرطیکہ آپ دین و سیاست کی تفریق کے "حجاب اکبر" کو چاک کر کے آگے بڑھیں۔

یہ بلاشبہ درست ہے کہ ایک جماعت کو عوامی دور سے قبل ایک دور ابتدائی تیاری اور تعارف کا عبور کرنا پڑتا ہے' جس میں وہ سیاست میں براہ راست مداخلت کرنے کے بجائے بالواسطہ طور پر اثر ڈالتی ہے' اور عملی انقلاب کے لیے زمین ہموار کرنے کی خاطر سے ایک فکری انقلاب بپا کرنے کا اہتمام کرتی ہے۔ لیکن یہ سوال کہ اسے کب تک فکری انقلاب ہی پر اپنی توجہ مرتکز رکھنی چاہیے' اور عوامی دور میں قدم رکھنے سے کتنی مدت اجتناب کرنا چاہیے۔ اس سوال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انحصار جتنا اس کے داخلی حالات پر ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ خارجی تقاضوں پر بھی ہوتا ہے پھر داخلی اور خارجی تقاضوں میں توازن کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرتی ہے۔

جماعت اسلامی ابتدائی تیاری کے دور کو لمبا کرنا چاہتی تھی' لیکن حالات نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے میدان کار میں طلب کر لیا ہے۔ ہمارے ماحول میں اسلامی اور غیر اسلامی فکر کے درمیان جو آویزش دھیمی دھیمی چلی آ رہی تھی' وہ تقسیم ہند سے قبل ہی خاصی تیز ہو چکی تھی۔ لیکن آزادی اور تقسیم کے بعد وہ معاً انتہائی اشتعال پر پہنچ گئی۔ اب جب کہ حالات بتا رہے تھے کہ اس کشمکش کا فیصلہ ادھر یا ادھر بہت جلد ہونے والا ہے' اور آزادی کے بعد کے ابتدائی ۵ سال (یا زیادہ سے زیادہ ۱۰ سال) اسلام کے لیے بالکل فیصلہ کن ہیں' تو جماعت اسلامی کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ ہمہ تن "عشق" بنے اور "بے خطر آتش نمرود" میں کود جائے۔ اس موقع پر عقل کو محو تماشائے لب بام چھوڑنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت تھی ہی نہیں۔ تاریخ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک انتہائی موڑ مڑنے والی ہے' اور اگر اسے غلط راستے پر جانے سے روکنے کے لیے فوراً ہی ایک منظم قوت اس کے آڑے نہ آئے' تو پھر یہ دریا' الحاد کے رخ بہ جانے کے بعد' جب کنارے کاٹتا ہوا' اپنی رودگاہ کو گہرا اور اپنے پاٹ کو چوڑا کر چکے گا' تو پھر اسے ایک نئی سمت میں موڑنا دنیا ایک محال کام ہو گا۔

یہ اللہ کا احسان ہے کہ جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے اپنے ماحول' اپنی حریف طاقتوں' اپنے دور کی تاریخ اور اپنے وقت کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد" کا ڈھنگ اختیار نہیں کیا' کہ چاہے تمدن و سیاست کی ساری بازی شاطر الحاد جیت جائے' لیکن وہ ایک گوشے میں بیٹھے سیرت کے کام میں لگے رہیں۔ جب اسلام دشمن طاقتیں زندگی کے حرم کے دروازے توڑ کر اس پر اپنا جھنڈا لہرانے کے لیے آخری ہلہ بول رہی ہوں' تو ان لوگوں کی سیرتیں اور تقویٰ کس کام کا جو اپنی جانوں کو بچانے کے لیے گھروں کے دروازے بند کیے بیٹھے رہیں۔ جماعت اسلامی نے جس روز مطالبہ نظام اسلامی تحریک شروع کر کے عوامی دور میں قدم رکھا ہے' حالات گواہ ہیں کہ یہ کام اس روز موخر کرنا مہلک ہوتا۔ وقت کی پکار کو اگر ہم لوگ اس کان سے سن کر اس کان اڑا دیتے' تو آج "قرارداد مقاصد" میں جوہر اسلامیت کا کوئی نام و نشان نہ ہوتا' بلکہ یہ کھلم کھلا لادینی ریاست کی تعمیر کا ایک اسلام کش اعلان ہوتی' اور آج ہماری مملکت کی گاڑی غیر اسلامی راستے پر نہایت تیزی سے دوڑ رہی ہوتی۔

پس اب جب کہ ایک قدم اٹھ چکا ہے' اس کے واپس لینے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اب اسے آگے ہی آگے بڑھنا ہے۔ اب اس کا رکنا یا پیچھے ہٹنا --- چاہے وہ تعمیر سیرت ہی کے لیے کیوں نہ ہو --- ایک معرکہ کشمکش سے فرار کی حیثیت رکھتا ہے، اور فرار ایک انقلابی تحریک کے لیے ہمیشہ موت ثابت ہوتا ہے۔ اس فرار کے بعد ایک جماعت محض مذہبی فرقہ یا سیاسی جتھا بن کے رہ جاتی ہے، وہ زمانے کی امامت نہیں کر سکتی۔ ان حالات میں ہمارے نزدیک یہ ناگزیر ہے کہ تعمیر سیرت کے لیے جو کچھ بھی اہتمام کیا جائے وہ اس کشمکش کو جاری رکھتے ہوئے کیا جائے جو ایک فرض بن کر ہمارے اوپر لازم ہو چکی ہے۔

اب یہ ممکن نہیں ہے کہ عوامی دور میں قدم رکھنے کے بعد، ہم لوگ ان ذرائع و وسایل سے کام نہ لیں جو سیاست کے عوامی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ سے، جب ۱۹۴۸ میں کراچی کی تقریر کے بعد، یہ سوال کیا گیا کہ آپ مطالبے کو منوانے کے لیے کن طریقوں سے کام لیں گے، تو موصوف نے صفائی سے یہ جواب دیا تھا، کہ ہمیں اس کے لیے وہ سارے ذرائع اختیار کرنے ہوں گے جو آپ نے مطالبہ پاکستان کے لیے اختیار کیے تھے۔ (ان کے خلاف اسلام پہلوؤں کا استثنی بہرحال اپنی جگہ پر مسلم ہے)

اوپر کی گزارشات کا منشا صرف یہ ہے کہ اسلام کے ایک تحریک کی صورت میں ارتقاء کرتے ہوئے طبعی طور پر جو مراحل اسے پیش آ رہے ہیں اور آنے والے ہیں ان کو ہمارے معترضین اور ہمارے خیرخواہ دونوں جامد مذہبیت اور دین و سیاست کی تفریق کی عینکوں سے نہ دیکھیں، اور قدم قدم پر اڑانا چھوڑ دیں۔

دماغوں کو بلند فکر بنایئے، نگاہوں کو دور رسی کا درس دیجئے، سینوں کو فراخ رکھئے، اور حوصلوں کو عالی ظرفی کی صفت سے آراستہ کیجئے، یہاں تک کہ آپ پیش آمدہ مراحل کے تقاضوں ہی کو نہیں، بلکہ مستقبل بعید میں بتدریج پیش آنے والے احوال و مقامات کی ذمہ داریوں کو بھی قبل ازوقت سمجھ سکیں۔ آپ کو اپنے ملکی ماحول ہی کو نہیں، جہادنی ماحول کو تفصیل سے سمجھنا چاہیے۔ آپ کو تاریخ کی سمت ارتقاء اور وقت کے بہاؤ کی رفتا کو جاننا چاہیے۔ آپ کو اسلام کی وسعتوں پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

اس کے بغیر اسلام کی انقلابی تحریک کے ہر نئے مرحلے میں داخلے کے وقت آپ کو خواہ مخواہ کی الجھن ہو گی۔

خود ہمارے لیے یہ صورت حال بہت ہی مضر نتائج رکھتی ہے کہ ہم اپنی ساری قوت صرف

بقیہ صفحہ ۵۲ پر

© rasailojaraid.com